۱۰

اظہارِ حقیقت اور گالی میں فرق

(فرمودہ ۸ / مارچ ۱۹۳۵ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ جمعہ کی درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ[1]

اس کے بعد فرمایا:-

پچھلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ محض خدا تعالیٰ کی کتاب کے حامل ہونے سے کچھ نہیں بنتا اور جب تک اس کے مطابق اپنی زندگیاں بسر نہ کی جائیں اس وقت تک صرف اُس کتاب کو اُٹھا لینا ایسا ہی ہے جیسے گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں۔ جس طرح قرآن مجید کے بھرے ہوئے بکس ایک گدھے کی پیٹھ پر لاد دینے سے وہ زیادہ عقلمند نہیں ہو جاتا اور نہ تورات اور انجیل کے لادنے سے وہ زیادہ عقلمند سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک اَن پڑھ اور جاہل آدمی جو قرآن مجید کے مطالب کو نہیں سمجھتا اور نہیں سمجھنا چاہتا، بیس، تیس یا چالیس قرآن مجید بھی اپنے سر پر اُٹھالے تو کیا اُس کے دل میں معرفت کا دریا پھوٹ سکتا ہے؟ معرفت کا دریا اس کے دل میں پھوٹے گا اور وہی شخص روحانیت سے حصہ پائے گا جس کے دل میں قرآن ہوگا اور جس کے سر میں قرآن ہو، سر پر قرآن اُٹھانا کام نہیں دیتا

اور نہ پیٹھ پر قرآن لاد دینا کوئی کام دے سکتا ہے بلکہ جب سر میں قرآن ہو اور دل میں قرآن ہو تب انسان ان ثمرات کو پا سکتا ہے جو قرآن مجید پر عمل کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس مثال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متوجہ کرتا ہے کہ تم سے پہلے ایک کتاب یعنی تورات دنیا میں نازل ہوئی اور لوگوں کے لئے اسے راہنما قرار دیا گیا مگر اس کے ماننے والوں نے کچھ عرصہ کے بعد اس کتاب کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا، زندگیاں اس کے مطابق نہ بنائیں اور نہ اس کے اوامر پر کاربند رہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی اتنی قیمت بھی نہ رہی جتنی ایک گدھے کی اس کے مالک کے نزدیک ہوتی ہے ان پر عذاب پر عذاب آئے، تکلیفوں پر تکلیفیں آئیں اور مصائب پر مصائب آئے بجائے اس کے کہ خدا تعالیٰ ان کی مدد کرتا، نصرت کرتا اور ان کے دشمنوں کو خائب و خاسر اور ناکام و نامراد رکھتا جب لوگ ان کے دشمن ہوئے تو خدا کا عذاب بھی ان پر نازل ہونا شروع ہو گیا۔ جس طرح آسمان سے جب پانی برستا ہے تو زمین سے بھی چشمے پھوٹنے لگتے ہیں اس کے بالکل اُلٹ زمین سے جب ان پر عذاب نازل ہونا شروع ہوا تو آسمان نے بھی ان پر آگ برسانی شروع کر دی پس اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اِس واقعہ سے عبرت دلاتا اور انہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم ایسے مت بننا۔ جس قوم کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کی مثال گدھوں کی سی ہے ضرور ہے کہ وہ اس بات پر بُرا منائے اور کہے کہ ہمیں گالی دی گئی ہے اور یقیناً جس وقت یہ آیت یہود کی مجالس میں پڑھی جاتی ہو گی۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا[2] کہ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تورات دی مگر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھائی ہوئی ہوں ان پر یہ عبارت سخت شاق گزرتی ہو گی اور یقیناً وہ اس پر ناراض ہوتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہمیں کیوں گدھا کہا گیا۔ لیکن اگر ٹھنڈے دل سے قرآن کریم کے اس دعوے پر غور کیا جائے اور یہودی، عیسائی یا مسلمان کا سوال درمیان سے اُٹھا دیا جائے تو کون سا شخص اس مضمون کی صداقت سے انکار کر سکتا ہے۔ تم عیسائیوں سے پوچھ دیکھو کہ اگر ایک عیسائی انجیل پر عمل نہ کرے تو اسے کیا کہا جائے اور گو انجیل ہمارے نزدیک کوئی شرعی کتاب نہیں لیکن عیسائیوں کے نزدیک وہ ایک کامل ہدایت نامہ ہے اور عمل کے لحاظ سے ہر عیسائی مجبور ہے کہ وہ انجیل کی ہدایات کو اپنے مدنظر رکھے اور اپنے اعمال کی انجیل پر بنیاد رکھے۔ پس اگر ایک عیسائی سے پوچھا

جائے کہ جب کوئی عیسائی کہلا کر انجیل پر عمل نہیں کرتا انجیل اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے مگر اپنے دل میں نہیں رکھتا تو کیا اُس کی مثال اُس گدھے کی سی ہے یا نہیں جس پر کتابیں لاد دی جائیں۔ تو اگر اسے یہ خیال پیدا نہ ہو کہ تم اُس پر طعن کر رہے ہو تو یقیناً وہ یہی کہے گا کہ یہ درست ہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان سے پوچھو کہ وہ شخص جو قرآن مجید پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے مگر عملی لحاظ سے قرآن کو پسِ پُشت ڈال رہا ہے، منہ سے تو دعوے کرتا ہے کہ میں اسلام کا عاشق اور قرآن مجید کا متبع ہوں لیکن اس کے اعمال قرآن مجید کے خلاف ہیں تو بتاؤ اگر ایسے شخص نے اپنے ہاتھ یا سر پر قرآن اُٹھایا ہؤا ہے تو کیا اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے یا نہیں جس پر کتابیں لادی گئی ہوں۔ پس اگر اسے یہ خیال پیدا نہ ہو کہ تم اس کی ذات کی طرف اشارہ کر رہے ہو تو یقیناً وہ کہے گا کہ ہاں یہ درست ہے۔ البتہ اگر اسے یہ وہم ہو جائے کہ تم اس پر اتمامِ حجت کرنی چاہتے ہو اور اس پر طعن کر رہے ہو تو پھر وہ لڑ پڑے گا اور کہے گا کہ تم نے مجھے گالی دی لیکن اگر ذاتیات کو درمیان میں نہ لایا جائے اور اصولی طور پر سوال کیا جائے تو خواہ کسی قوم کے فرد سے دریافت کر لیا جائے ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ بے شک ایسا شخص اس گدھے کی طرح ہے جس نے کتابیں اُٹھائی ہوئی ہوں۔ اسی طرح اگر یہودیوں سے پوچھا جائے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ اگر ایک ہندو سے پوچھا جائے کہ ایک شخص ویدوں پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے مگر نہ اپنے عقائد ویدوں کی تعلیم کے مطابق رکھتا ہے نہ اعمال ان کے مطابق رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو بتاؤ اگر اس کے سر پر یا اس کے ہاتھوں میں وید ہو مگر اس کے دل میں ویدوں کی عظمت نہ ہو تو کیا اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے یا نہیں جس پر کتابیں لادی گئی ہوں۔ تو وہ بھی یہی کہے گا ہاں واقع میں وہ گدھے کی مانند ہے اور اس پر وہ ہرگز برا نہیں منائے گا۔ برا لگنے کا سوال تب پیدا ہوتا ہے جب انسان یہ سمجھے کہ یہ میرے متعلق کہا جا رہا ہے لیکن جب کسی بات کو ایک علمی سوال بنا دیا جائے تو پھر کوئی شخص بُرا نہیں منا سکتا۔ فرض کرو کوئی شخص میرے پاس آئے اور کہے کہ اگر ایک شخص احمدی کہلاتا ہے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں ہر وقت اُٹھائے پھرتا ہے لیکن ان کتابوں پر عمل نہیں کرتا تو کیا اس کی مثال گدھے کی سی ہے یا نہیں؟ تو کیا تم سمجھتے ہو میں اس حقیقت سے انکار کر دوں گا۔ یقیناً میں یہی جواب دوں گا کہ اگر کوئی احمدی ایسا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پر عمل نہیں کرتا اور صرف کتابیں اُٹھائے پھرتا ہے تو وہ اس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لادی گئی

ہوں۔ پس دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس کے سامنے اصولی طور پر یہ سوال رکھا جائے کہ اگر کوئی شخص منہ سے ایمان لانے کا دعویٰ کرے مگر نہ اس کے عقائد ایمان کے مطابق ہوں اور نہ اعمال ایمان کے مطابق ہوں تو کیا وہ گدھے کی مانند ہے یا نہیں اور وہ اس کا نفی میں جواب دے۔ پس اس میں کسی قوم کی خصوصیت نہیں اور اس قسم کے الفاظ گالی نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت ہوتے ہیں۔ پس نادان لوگ اس قسم کے الفاظ کو گالیاں قرار دیتے ہیں حالانکہ جب قرآن مجید میں یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ وہ یہود جو تورات پر عمل نہیں کرتے گدھوں کی طرح ہیں تو پھر مسلمانوں کو اس طریق کلام پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے کیا مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کے متعلق کوئی سخت لفظ بطور اظہارِ واقعہ کہہ دیا جائے تو وہ ناجائز ہے لیکن اگر دوسروں کے متعلق ویسا ہی سخت لفظ بطور اظہار واقعہ کہہ دیا جائے تو وہ جائز ہے۔ جو لوگ آج یہ شور مچاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں مخالفوں کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں وہ سوچیں کہ جب یہودیوں کے سامنے یہ کہا جائے کہ تمہیں تورات دی گئی تھی مگر تم نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا اس لئے اب تم اس گدھے کی مانند ہو گئے ہو جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں تو کیا وہ یہ سنتے ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے ہوئے بغلگیر ہو جائیں گے اور کہیں گے جَزَاکَ اللّٰہُ آپ نے کیسا اچھا لفظ استعمال کیا یا وہ برا منائیں گے اور اس لفظ کے استعمال کو اپنی ہتک سمجھیں گے؟ مگر تعجب ہے مسلمان قرآن مجید میں تو پڑھتے ہیں کہ یہود گدھے کی مانند ہیں اور خاموش رہتے ہیں لیکن جب ان کے سامنے ان کی حقیقت پیش کی جائے تو وہ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ آخر قرآن مجید نے یہ طریق کیوں اختیار کیا؟ اسی لئے کہ انہوں نے الٰہی کتاب پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو کیوں انہی الفاظ کے مستحق نہیں جن کی پہلی قومیں مستحق ہوئیں۔ قرآن تو خود کہتا ہے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا [۳] یعنی جو طریق ہم نے اختیار کیا ہے یہ کئی لوگوں کو اچھا لگے گا اور کئی لوگوں کو برا، کئی لوگ ہدایت پائیں گے اور کئی گمراہ ہوں گے۔ مسلمان آخر کیوں یہ امید رکھتے ہیں اگر یہ دوسری اقوام کے بزرگوں کے متعلق ہنسی کی باتیں کریں تو وہ ادبی لطائف قرار دیئے جائیں لیکن اگر دوسری قوم کے افراد مسلمانوں کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہیں تو واجبُ القتل قرار پائیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ سکھ مسلمانوں کے بزرگوں کے متعلق سخت الفاظ استعمال کریں، اگر ہندو مسلمانوں کے بزرگوں کے متعلق سخت الفاظ استعمال کریں، اگر عیسائی

مسلمانوں کے بزرگوں کے متعلق سخت الفاظ استعمال کریں تو مسلمانوں کا حق ہو جاتا ہے کہ سخت الفاظ کہنے والوں کو قتل کر دیں تو پھر غیر مسلموں کا بھی حق ہے کہ جو مسلمان ان کے بزرگوں پر ہنسی اُڑائیں ایسے مسلمانوں کو وہ قتل کر دیں۔

مگر کیا اس طرح دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے اور کیا اس طرح صلح اور محبت کی فضا پیدا ہوسکتی ہے؟ ہر عقلمند انسان کہے گا کہ اگر یہ راستہ کھول دیا جائے تو فتنہ فساد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوسکتا۔ جس نے سمجھ لیا کہ فلاں نے اس کے خلاف بات کہی ہے وہ اُٹھے گا اور اُسے قتل کر دے گا حالانکہ کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جس میں اس قسم کے الفاظ نہ پائے جاتے ہوں۔ ویدوں میں بھی اس قسم کے الفاظ آتے ہیں، تورات میں بھی اس قسم کے الفاظ آتے ہیں، ژنداوستا میں بھی اس قسم کے الفاظ آتے ہیں اور قرآن کریم میں بھی اس قسم کے الفاظ موجود ہیں مگر وہ گالیاں نہیں، اظہارِ حقیقت ہے۔ گالی وہ چیز ہوتی ہے جو حقیقت حال کا اظہار نہیں کرتی اور اس میں جھوٹ ہوتا ہے مگر اظہارِ واقعہ حقیقت کے مطابق ہوتا ہے۔

دراصل سخت الفاظ ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک گالی اور ایک اظہارِ حقیقت۔ پھر اظہارِ حقیقت بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک بُرا اظہارِ حقیقت ہوتا ہے اور ایک اچھا۔ گالی یہ ہے کہ کسی کو کتا کہہ دیا جائے بغیر اس کے کہ کتے کی کسی صفت کی طرف اشارہ ہو۔ مثلاً کتے میں بھونکنے کی عادت ہے اگر کوئی شخص ایسا ہو جو راہ چلتے لوگوں کو بلا وجہ گالیاں دے اور منع کرنے کے باوجود نہ رکے، ہاں اسے کچھ رقم دے دی جائے تو خاموش ہو جائے تو اگر ایسے شخص کو ہم کتا کہیں گے تو یہ اظہار حقیقت ہوگا لیکن اس کی بجائے اگر ہم کوئی اور لفظ اس کے متعلق استعمال کریں مثلاً سؤر کہہ دیں تو یہ گالی ہوگی کیونکہ یہ واقعہ کے مطابق نہیں۔ یا فرض کرو کسی مسئلہ پر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے گفتگو کر رہا ہو اور دوسرا لاجواب ہو کر کہہ دے کہ تو خبیث کتا سؤر ہے، تو کوئی نہیں کہے گا کہ یہ اظہارِ حقیقت ہے کیونکہ کتے مسائل میں اختلاف نہیں کیا کرتے اور نہ سؤر مسائل پر بحثیں کیا کرتے ہیں۔

پس اس جگہ جو کتا، سؤر اور خبیث کہا جائے گا یہ گالی ہوگی کیونکہ اس میں کوئی استعارہ مدّ نظر نہیں اور نہ کوئی ایسی بات مدّ نظر ہے جو حقیقت حال کے مطابق ہو۔ آگے حقیقت حال بھی جیسا کہ میں نے بتایا ہے دو قسم کی ہوتی ہے ایک غلط قسم کی حقیقت حال ہوتی ہے اور ایک صحیح حقیقتِ حال ہوتی

ہے۔ایک حقیقتِ حال کے اظہار کا برا طریق تو یہ ہے کہ مثلاً کسی کانے کو دل آزاری کے طور پر میاں یک چشم کہہ دیا جائے ۔ یہ ہوگا تو حقیقت حال کا اظہار اور گو یہ صحیح ہے کہ اس کی ایک آنکھ ہی ہوگی لیکن اگر بلا وجہ اسے کانا کہا جائے تو ہر شخص کہے گا کہ تم نے ظلم کیا اور بِلا وجہ دل آزاری کی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ گالی نہیں بلکہ حقیقت حال کا اظہار ہے کیونکہ اس نے بِلا وجہ محض دل آزاری کے طور پر اسے کانا کہا ہے لیکن اگر ایک شخص جس کی صرف ایک آنکھ ہے اپنی آنکھ کی کسی بیماری کے وقت ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ مرض خطرناک ہے اگر آپریشن نہ کرایا تو تمہاری دوسری آنکھ بھی جاتی رہے گی، آپریشن کی صورت میں ممکن ہے عرصہ تک بینائی قائم رہے تو یہ جائز ہوگا اور اظہارِ حقیقت کا اچھا طریق ہوگا پس گو پہلا شخص بھی '' کانا '' کہتا ہے اور ڈاکٹر بھی اسے یک چشم کہتا ہے لیکن یہاں چونکہ ڈاکٹر مجبور تھا کہ اس کے کانا ہونے کا ذکر کرے اور بتائے کہ اگر علاج نہ کرایا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو جائے گی اس لئے کوئی اسے بداخلاق قرار نہیں دیتا اور نہ اس کے کانا کہنے کو گالی سمجھتا ہے لیکن دوسرا جب دل آزاری کے لئے بغیر کسی وجہ کے یونہی کانا کہہ دے تو وہ گالی سمجھی جاتی ہے۔اسی طرح جب مجسٹریٹ کے سامنے کسی شخص پر چوری کا مقدمہ پیش ہوتا ہے اور پولیس اس کے چور ہونے کو ثابت کر دیتی ہے تو کیا فیصلہ کرتے وقت مجسٹریٹ یہ لکھا کرتا ہے کہ زید چور ہے اور اسے چوری کی سزا دی جاتی ہے۔ یا یہ لکھا کرتا ہے کہ زید بڑا شریف، نیک، عابد اور زاہد ہے اس لئے میں اسے دو سال قید کی سزا دیتا ہوں۔ پھر کیا جب مجسٹریٹ چور کو چور کہتا ہے تو کوئی اسے گالی سمجھتا ہے؟ کوئی بھی شخص اس لفظ کو گالی نہیں سمجھتا کیونکہ مجسٹریٹ کو ضرورتاً اور حاجتاً اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔

غرض جب کوئی الفاظ حقیقتِ حال کے مطابق ہوں اور ضرورت ان الفاظ کے کہے جانے پر مجبور کرے تو وہ گالی نہیں بلکہ تمثیل اور تنبیہہ کہلاتی ہے۔گالی وہ ہوتی ہے جو معنوی لحاظ سے مخاطب میں پائی نہیں جاتی اور اگر پائی جاتی ہو تو اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔مشہور ہے کہ کوئی آدمی ایک ایسے محلّہ سے گزرا کرتا تھا جس میں ایک کانی عورت رہا کرتی تھی۔وہ جب اسے پنجابی زبان میں کہتا بھابی کانیئے ! سلام۔اس پر وہ شور مچانا شروع کر دیتی اور لوگ جب اکٹھے ہوتے تو وہ کہتا کہ میں نے تو اسے سلام کیا ہے اور کانی کو کانی نہ کہوں تو اور کیا کہوں ۔مگر یہ طریق باوجود حقیقتِ حال کے مطابق ہونے کے برا سمجھا جاتا ہے اور سمجھا جانا چاہئے کیونکہ اس کا مقصد محض دل آزاری ہوتا ہے لیکن

وہ مأمور جو دنیا کی ہدایت کے لئے آئے آخر لوگوں کو کیا کہے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام جب آئے تو انہوں نے فرعون اور اس کے ساتھیوں سے یہ کہا تھا کہ آپ لوگ بڑے ہادی و راہنما، پارسا، خدا رسیدہ اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق رکھنے والے ہیں میں آپ کی اصلاح کرنے آیا ہوں اگر وہ ایسا کہتے تو کیا ہر شخص نہ کہتا کہ یہ پاگل ہوگیا ہے ایک طرف تو کہتا ہے کہ ہم بڑے نیک اور پارسا ہیں اور دوسری طرف کہتا ہے کہ میں اصلاح کے لئے آیا ہوں آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہی کہنا پڑا کہ تم گمراہ ہو اور روحانی لحاظ سے اندھے ہو میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں وہ آنکھیں دوں جن سے تم خدا تعالیٰ کو دیکھو۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی بدکاری اور فسق و فجور کو دیکھ کر انہیں بدکار کہا، ان کی ایذاء رسانیوں کے رو سے انہیں ڈسنے والے سانپ قرار دیا لیکن اگر وہ یہ کہتے کہ تم لوگ یوں تو بڑے امن پسند ہو، نیک بھی ہو، خدا تعالیٰ کی محبت بھی تمہارے دلوں میں ہے، عدل و انصاف کو بھی تم نے دنیا میں قائم رکھا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری اصلاح کے لئے بھیجا ہے تو کیا ساری دنیا انہیں پاگل قرار نہ دیتی۔ یوں بھی تو دنیا انبیاء کو مجنون کہا کرتی ہے مگر وہ اس قسم کی باتیں کہتے تو ہر ایک ان کی بات پر ہنستا اور کہتا کہ یہ عجیب آدمی ہے ایک طرف تو ہمیں بزرگ کہتے ہیں اور دوسری طرف دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم تمہاری اصلاح کے لئے آئے ہیں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہی کہنا پڑا کہ تم سانپ ہو، سانپوں کے بچے ہو[4] اور اسی انجیل میں جس میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دیا جائے[5] حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مخالفوں کو کہا کہ تم حرامکار ہو، شیطان کی اولاد ہو[6] اور ان میں سے ہر لفظ اپنے مقام پر صحیح طور پر چسپاں تھا۔ شیطان کی اولاد کے کیا معنی ہیں شیطان ہمیشہ نیکی سے روکتا ہے اور شیطان کی اولاد کے یہ معنی ہیں کہ تم شیطانی کام کر رہے ہو اور لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے سے روکتے ہو۔ پھر کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن واقع میں ایسے نہ تھے؟ اسی طرح جب انہوں نے حرامکار کہا تو سچ کہا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام تو اپنے ماننے والوں کو اطاعت کی تعلیم دیتے مگر مخالف یہ مشہور کرتے کہ یہ حکومت کا باغی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی جان بچانے کی فکر میں تھے اور وہ ان کو قتل کرانے کی فکر میں تھے پھر وہ حرامکاری نہیں کرتے تھے تو اور کیا کرتے تھے۔ پھر وہ سانپ بھی تھے کیونکہ جس طرح سانپ بلا وجہ ڈستا ہے اسی طرح وہ بھی نیش زنی کرتے اور ایذا رسانی پر کمر بستہ رہتے۔ اسی طرح جب رسول کریم ﷺ دنیا

میں آئے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو کتاب دی تو اُس وقت یہودیوں کے پاس تورات، عیسائیوں کے پاس انجیل، زرتشتیوں کے پاس ژنداوستا اور ہندوؤں کے پاس وید تھے، کیا رسول کریم ﷺ یہ کہتے کہ آپ لوگوں کی کتابیں تو بڑی اعلیٰ درجہ کی ہیں اور ان میں نور اور ہدایت بھری ہوئی ہے اور ان کی تعلیم پر چل کر انسان اپنے ربّ کے پاس پہنچ سکتا ہے لیکن دیکھو! میری خاطر ان کو چھوڑ دو اور جو کتاب مَیں پیش کرتا ہوں اسے مان لو۔ لازماً آپ کو یہی کہنا پڑتا کہ وہ کتابیں خدا تعالیٰ کی طرف سے تھیں مگر اب ان میں سے نور اُٹھ گیا ہے اور انسانی ہاتھوں نے ان میں تغیر وتبدل کر دیا ہے۔

پس رسول کریم ﷺ نے ان کی کتابوں کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ ان کے متعلق ایک حقیقت حال کا اظہار کیا اور ان کی ہمدردی اور خیر خواہی کیلئے وہ بات کہی جو سچی تھی۔ ایسا ہی آجکل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض الفاظ کہے ہیں اور لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ وہ ان باتوں کو قرآن مجید میں پڑھتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ ان کو اپنے زمانہ پر بھی انہیں چسپاں کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ بالکل صاف اور کھلے الفاظ میں فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے تورات پر عمل نہیں کیا ان کی مثال گدھے کی سی ہے لیکن آج اگر یہودی شور مچا دیں اور کہیں کہ قرآن نے ہمیں گالی دی ہے تو یہ سب مخالف جو آج ہم پر اعتراض کرتے ہیں، انہیں کہنے لگ جائیں کہ ان کی عقل ماری گئی، یہ تو اظہارِ حقیقت ہے نہ کہ گالی مگر یہی حرکت آپ کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ کس قدر بے جا حرکت کر رہے ہیں۔ بہر حال انہوں نے بھی اعتراض کر دیا تھا جیسا کہ آج کل غیر احمدی ہماری جماعت پر کرتے ہیں۔ یہودی کوئی نیک تو تھے نہیں کہ وہ خاموش رہتے انہوں نے اس لفظ کے استعمال کرنے پر اعتراض کیا اور جیسا کہ قرآن مجید کا طریق ہے کہ وہ بغیر اعتراض کو بیان کئے اعتراض کا جواب دے دیا کرتا ہے ایسا ہی یہاں بھی کیا گیا ہے اور یہودیوں کے اسی اعتراض کا جو گدھا کہنے پر ان کے دل میں پیدا ہؤا تھا جواب اگلی آیت میں دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فرماتا ہے دیکھو! ہم نے غلط بیانی نہیں کی، گالی نہیں دی بلکہ مجبوری سے ایک بات کہی ہے اور واقعہ یہی ہے کہ وہ کتاب جو تمہیں دی گئی ہے آج تم اس پر عمل نہیں کرتے اور نہ اس تعلیم کو دنیا میں قائم کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ تمہارے سوا دنیا کی اور کوئی قوم خدا تعالیٰ کی پیاری نہیں، تم کہتے ہو کہ تمہارے سوا اور کوئی قوم اس کے سچے دین کی

حامل نہیں، تم کہتے ہو کہ تمہارے سوا اور کسی قوم کے لئے آج نجات مقدر نہیں مگر کیا تمہارے اعمال ایسے ہیں جو اس قوم کے ہونے چاہئیں جو اکیلی خدا تعالیٰ کی محبوب ہو؟ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کا یہ دعویٰ ہو کہ میرے سِوا اس جگہ اور کوئی تیراک نہیں تو کیا وہ ایک ڈوبتے ہوئے بچہ کو دیکھ کر یہ انتظار کیا کرتا ہے کہ کوئی اور آئے اور اس کی جان بچائے۔ یا اسے دیکھتے ہی چھلانگ لگا دیتا ہے اگر وہ سمجھتا کہ اور تیراک بھی وہاں موجود ہیں تو اس صورت میں ممکن ہے وہ اس انتظار میں کھڑا رہتا کہ کوئی اور ڈوبنے والے بچہ کو بچانے کے لئے کُودے اور گو اس صورت میں بھی جُرم سے وہ بالکل بَری نہیں ہوگا البتہ اس کا جُرم ہلکا ہو جائے گا۔ لیکن وہ شخص جو اپنے آپ کو اکیلا تیراک سمجھتا ہو اگر وہ ایک ڈوبتے ہوئے بچہ کی جان بچانے کی فکر نہیں کرتا تو وہ کتنے الزام کے نیچے آتا ہے۔ ایک مالک مکان کے کئی نوکر ہوں اور فرض کرو اس کے گھر میں آگ لگ گئی ہو اور پہلے باورچی خانہ میں لگی ہو تو دوسرے نوکر ممکن ہے یہ خیال کر لیں کہ باورچی اس آگ کو بُجھا لے گا اور اس خیال کے ماتحت خاموش بیٹھے رہیں گو وہ جرم سے بالکل بری نہیں ہوں گے لیکن ان کا جرم کسی قدر کم ضرور ہو جائے گا کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ اور بھی آگ کو بجھانے والے ہیں لیکن اگر ایک نوکر کو یہ یقین ہو کہ گھر میں اور کوئی خادم نہیں اور پھر بھی وہ آگ کو نہ بجھائے تو بتاؤ وہ مجرم ہوگا یا نہیں؟ اسی رنگ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے یہودیو! ہم نے تمہارے متعلق جو کچھ کہا اگر یہ گالی ہے تو ہم تمہارے سامنے ایک معیار پیش کرتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ تمہیں تورات ملی جو خدا تعالیٰ کا کلام ہے تم کہتے ہو کہ تمہیں تورات ملی اور اس میں سچائی اور نور ہے، تم کہتے ہو کہ تمہیں تورات ملی اور تم ہی خدا کی چنیدہ جماعت ہو، تم کہتے ہو کہ تمہیں تورات ملی اور تم ہی خدا کی محبوب قوم ہو، تمہارا دعویٰ ہے کہ اَنَّکُمْ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ تم ہی خدا کے دوست ہو اور کوئی قوم خدا تعالیٰ کی دوست کہلانے کی حقدار نہیں، پھر بتاؤ تم نے خدا تعالیٰ کے دوست اور محبوب کہلا کر اس ظلمت اور تاریکی کے مٹانے کے لئے کیا کوششیں کیں جو آج دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس طرح ایک بچے کو سخت بیمار دیکھ کر اس کی ماں مرنے کے قریب ہو جاتی ہے، جس طرح ایک بچے کو ڈوبتا دیکھ کر اس کا باپ اپنی جان سے بے پرواہ ہو کر کُود پڑتا ہے، جس طرح ایک مالک اپنے گھر میں آگ لگی دیکھ کر بے تحاشہ اسے بجھانے کے لئے دَوڑ پڑتا ہے، جس طرح ایک ملک پر جب دشمن حملہ آور ہو تو نوجوان اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، جس طرح

قوموں پر حملہ کے وقت چھوٹے اور بڑے سب اپنی جان اور اپنے مال لٹانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، تم بتاؤ کہ کیا تم نے اسی طرح خدا تعالیٰ کے دین کے لئے اپنی جانیں قربان کیں۔ تمہارے سامنے خدا تعالیٰ کی کھیتیاں برباد کی جارہی ہیں، تمہارے سامنے خدا تعالیٰ کی عبادت گاہیں مٹائی جارہی ہیں، تمہارے سامنے اس کے نام کی بے حرمتی کی جارہی ہے، تم بتاؤ کیا تم نے وہ قربانی کی جو اپنے بچہ کے لئے ماں اور اپنے ملک کے لئے سپاہی کیا کرتا ہے۔ جب تم کہتے ہو کہ تمہارے سوا دنیا کی اور کوئی قوم خدا تعالیٰ کی دوست نہیں تو تمہاری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اگر تم یقین رکھتے کہ عیسائی بھی خدا تعالیٰ کے دوست ہیں، اگر تم یقین رکھتے کہ ہندو خدا تعالیٰ کے دوست ہیں، اگر تم یقین رکھتے کہ زرتشتی بھی خدا کے دوست ہیں، تو تم کہہ سکتے تھے ظلمت و تاریکی کو وہ لوگ دور کر لیں گے کفر کی جو آگ بھڑک رہی ہے اسے وہ لوگ بجھائیں گے مگر تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ تم مِنْ دُوْنِ النَّاسِ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ ہو پھر یہ جو خدا تعالیٰ کے نور کی بے حرمتی کی جارہی ہے اس کی کھیتی کو کاٹا جاتا اور اس کے نام پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اس کا تم نے کیا علاج کیا؟ اگر تم اس کے دوست ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ تم ایسے نازک موقع پر خاموش ہو کر بیٹھے رہتے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ پس اگر تم سچے ہو تو آؤ اور اپنی جانیں اور اپنے اموال خدا تعالیٰ کی راہ میں لوٹا کر اپنے آپ پر موت وارد کرو۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے جلال کے لئے اپنی جانیں نہیں دیتے، اگر تم خدا تعالیٰ کے جلال کے لئے اپنے اموال ایک حقیر چیز کی طرح نہیں لٹا دیتے تو معلوم ہوا کہ تورات تمہارے اندر نہیں اور نہ اپنے دعویٰ محبت میں تم سچے ہو۔ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا نور تمہارے اندر ہو مگر جب اس کے نور کو مٹانے کے لئے دنیا میں کوششیں کی جارہی ہوں تو تمہارے اندر قربانی کا جوش پیدا نہ ہو۔ دیکھو یہ وہ معیار ہے جو قطعی اور یقینی ہے اس کے ماتحت معلوم ہو سکتا ہے کہ کونسی قوم اپنے دعوے میں سچی ہے اور کونسی نہیں۔

میں اپنی جماعت سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ دیکھو تم بھی کہتے ہو کہ ہم مِنْ دُوْنِ النَّاسِ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ ہیں، تمہارا بھی دعویٰ یہی ہے کہ آج سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کے نجات نہیں پس معلوم ہوا کہ تم بھی اس بات کے مدعی ہو کہ اولیاء اللہ تم ہی ہو اور تمہارے سوا اور کوئی خدا کا پیارا نہیں ورنہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا کا کوئی اور بھی پیارا ہو اور نجات صرف تمہارے لئے مقدر ہو۔ اگر کوئی اور قوم بھی اِس وقت خدا تعالیٰ کی پیاری ہے تو نجات صرف تمہارے لئے مقدر نہیں ہو سکتی

بلکہ اس کے لئے بھی ہوگی اور اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ نجات صرف تمہارے لئے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آج خدا کا سپاہی تمہارے سوا اور کوئی نہیں۔ کیا دنیا میں کوئی بھی شریف انسان ایسا ہوسکتا ہے جو کسی سے خدمت لے مگر اسے اُجرت نہ دے پھر اگر تمہارے نزدیک مسیحی بھی خدا تعالیٰ کے دین کو روشن کرنے والے ہوں، زرتشتی بھی خدا تعالیٰ کے دین کو پھیلانے والے ہوں، یہودی بھی اس کے دین کی اشاعت کرنے والے ہوں، ہندو بھی اس کے نام کو بلند کرنے والے ہوں اور غیر احمدی بھی اسلام کا درد اپنے سینہ میں رکھنے والے اور اس کی رضا کو حاصل کئے ہوئے ہوں تو کیا تمہاری عقل کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ وہ مزدوری کی اُجرت صرف تمہارے ہاتھ میں رکھے گا اور انہیں نجات سے محروم کردے گا۔ کیا تم خدا تعالیٰ کو ظالم اور بے انصاف سمجھتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر جب تم کہتے ہو کہ مسیح موعود کے ماننے میں ہی نجات ہے تو دوسرے معنوں میں تم یہ کہتے ہو کہ آج خدا کا تمہارے سوا اور کوئی نوکر نہیں، آج خدا کا تمہارے سوا اور کوئی سپاہی نہیں، پس جب کہ تم بھی ویسا ہی دعویٰ کرتے ہو جیسا کہ یہود نے کیا یا جس طرح رسول کریم ﷺ کے صحابہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ان کے سوا اور کوئی نجات یافتہ نہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یہ دعویٰ تبھی سچا ثابت ہوگا جب تم مر کر دکھا دو۔ اگر آج خدا تعالیٰ کے دین کی تمہارے سوا اور کوئی خبر لینے والا نہیں، اگر آج دنیا کی تمام قوموں میں سے صرف تم ہی ہو جو خدا تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں رکھتے ہو تو پھر اسلام پر جو مصیبتیں آرہی ہیں ان کے لئے تم کونسی قربانی کر رہے ہو۔ کیا مہینہ کے بعد ایک آنہ روپیہ کے حساب چندہ دیدینا یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ تم مِنْ دُوْنِ النَّاسِ اَوْلِیَاءُ لِلّٰهِ ہو۔ کیا اگر ایک گھر کو آگ لگی ہوئی ہو تو تم اس پر ایک گلاس پانی ڈال دینا کافی سمجھ لیتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ تمہاری وہ قربانیاں جو تم اب تک کرتے چلے آئے ہو تمہارے لئے کافی ہیں۔ اس کے لئے تو تمہیں موت میں سے گزرنا پڑے گا۔

پس سوچو کہ کیا تم موت لینے کے لئے تیار ہو۔ میں جانتا ہوں کہ جب بھی میں نے کسی قربانی کا اپنی جماعت سے مطالبہ کیا جماعت کے نوّے فیصدی افراد نے اس پر کہا کہ ہاں ہم تیار ہیں۔ پس میں اس وقت تمہیں الزام نہیں دے رہا بلکہ تمہیں میں یہ کہتا ہوں کہ اس مقصود کو تم ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ جب تک تم مِنْ دُوْنِ النَّاسِ اَوْلِیَاءُ لِلّٰهِ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اُس وقت تک ضروری ہے کہ تم خدا

کیلئے مرنے کے لئے تیار رہو۔ ہاں جب تم کہہ دو کہ اور قوموں کا بھی نجات پانے کا حق ہے تو بے شک اُس وقت وہ بھی ذمہ دار ہوں گی اور گو پھر بھی اگر کوئی بالکل خاموش بیٹھا رہے اور دین پر مصیبت آتی دیکھ کر اس کے دل میں کوئی احساس پیدا نہ ہو تو وہ جرم سے کُلّی طور پر بری نہیں ہوگا صرف اس کا جُرم کسی قدر کم ہو جائے گا مگر جب تک تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا میں اکیلی خدا کی محبوب جماعت صرف جماعت احمدیہ ہی ہے تو اُس وقت تک اگر تم مرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو تمہارا جرم خطرناک حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ غرض علاوہ مباہلہ کے جس کا ان آیات میں ذکر ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ اس آیت میں جس موت کا ذکر ہے وہ وہ موت ہے جو دین کی خدمت کے لئے خدا کی ہر قوم کو اپنے نفوس پر وارد کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ انہی معنوں کی تائید میں میرے دل میں ایک اور آیت سورہ بقرہ کے بتیسویں رکوع میں ڈالی گئی ہے یہاں بھی یہودیوں کا ذکر ہے اور وہاں بھی یہودیوں کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ یہود کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ ھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَالْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ ۔اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لاَ یَشْکُرُوْنَ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ [۶] فرماتا ہے وہ وقت تمہیں معلوم ہے جب کہ ہزار ہا یہود اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے یا یہود کے چند خاندان موت کے ڈر سے باہر نکلے کیونکہ بعض ادیبوں نے اَلُوْفٌ کے معنی قبائل اور خاندان کے بھی کئے ہیں ۔پس فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ہزار ہا یہود جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اپنے گھروں سے نکلے انہیں اپنی تباہی و بربادی اپنے سامنے نظر آتی تھی وہ دیکھتے تھے کہ ساری دنیا انہیں کچلنے کے لئے تیار ہے، در و دیوار انہیں مارنے کیلئے دَوڑتے تھے، زمین ان کے لئے تنگ تھی اور آسمان ان پر آگ برسا رہا تھا تب وہ یہود اپنے زمانہ کے نبی کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اب تو ہم اس مخالفت سے مرنے لگے۔ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ انہیں کہا کہ اگر دشمن تمہیں مارنے کیلئے آ رہا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس کے مارنے سے پہلے خود اپنے آپ کو مار دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے یہ حکم دیا تو وہ مر گئے۔ ثُمَّ اَحْیَاھُمْ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو زندہ کر دیا اس جگہ صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا ہے کہ یہود کو جب دشمن تباہ کرنے لگا تو میں نے یہ حکم دیا تھا مُوْتُوْا۔ یعنی اگر تم موت سے بچنا چاہتے ہو، اگر تم

دائمی حیات کے وارث بننا چاہتے ہو تو بجائے اس کے کہ دشمن آئے اور تمہارے اموال لوٹے کیوں تم اپنے مال خدا تعالیٰ کی راہ میں چندوں میں نہیں لٹا دیتے ، بجائے اس کے کہ دشمن آئے اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالے کیوں تم آپ تبلیغِ دین کے لئے اپنے گھروں کو چھوڑ کر غیر ملکوں میں نہیں نکل جاتے اور بجائے اس کے کہ دشمن آئے اور تمہیں مارے کیوں خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں کو خود قربان نہیں کر دیتے ۔کیا یہ اچھا ہے کہ دشمن مارے یا یہ اچھا ہے کہ تم خود اپنے آپ کو خدا کی راہ میں قربان کر دو؟ جب دشمن مارے گا تو اس کے بعد زندگی کا سامان تمہارے لئے کوئی نہیں ہوگا لیکن جب اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرو گے تو زندہ ہو جاؤ گے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے اس حکم پر وہ مر گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اَحۡیَاھُمۡ ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندۂ جاوید کر دیا ۔پس فرمایا قومی ترقی کا گر یہ ہے کہ افراد اپنے آپ کو خدا کے لئے ہلاکت میں ڈال دیں تب اس کے نتیجہ میں انہیں دائمی حیات ملتی ہے ۔بندہ موت خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اور خدا زندگی بندے کو عطا فرماتا ہے جس طرح دو دوستوں میں جب تبادلۂ اشیاء ہو تو ایک دوست اپنی بہترین چیزیں دوسرے کو دیتا ہے اور دوسرا دوست اپنی بہترین چیزیں اسے دے دیتا ہے اسی طرح مخلص بندوں کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو دے دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اپنے بندوں کو دے دیتا ہے ۔بندہ اپنی چیز دیتا ہے اور خدا اپنی چیز ، بندوں کے پاس موت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں پس بندہ موت اپنے خدا کے قدموں میں ڈال دیتا ہے اور خدا جو حیات کا مالک ہے وہ دائمی زندگی کی چادر اُس پر ڈال دیتا ہے ۔

پس فرماتا ہے کہ یہ درست ہے کہ ایک وقت میں ہم نے کہا تھا کہ آج نجات صرف تمہارے لئے ہی مخصوص ہو چکی ہے اور کسی قوم کے لئے نجات نہیں ۔نجات محصور ہے مصر اور کنعان کے لوگوں میں یا مصری اور یہودی قبائل میں ۔اور بے شک ہم نے کہا تھا کہ مصریوں اور یہودیوں میں سے کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا سوائے ان لوگوں کے جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے مگر فرمایا اس کے ساتھ ایک شرط بھی تھی اور وہ یہ کہ ہم نے انہیں کہا تھا مُوۡتُوۡا ۔اگر مر جاؤ گے تو ہم تمہیں دائمی زندگی دیں گے ۔اُس وقت کے لوگوں نے ہمارے اس حکم کے مطابق اپنے لئے موت قبول کی اور خدا تعالیٰ نے انہیں زندگی دے دی اگر تم سمجھتے ہو کہ اب بھی تم موسیٰ کے اَتباع میں شامل ہو تو فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ ۔موسیٰ کی

جماعت والی قربانیاں پیش کرو۔ کیا تم اسی طرح اپنی جانیں اور اپنے اموال اور اپنی عزت اور اپنی آبرو اور اپنے جذبات اور اپنے احساسات اور اپنی شہوات کو خدا تعالیٰ کے لئے قربان کر رہے ہو جس طرح موسیٰ کے ساتھیوں نے کیا اگر نہیں کر رہے تو تمہارا کیا حق ہے کہ یہ کہو کہ ہم مِنْ دُوْنِ النَّاسِ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ ہیں۔ دیکھ لو سورہ بقرہ کی آیت میں بھی اس مضمون کے بعد یہ فرمایا ہے کہ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ یعنی اے مسلمانو! ہم نے موسیٰؑ پر ایمان لانے والوں سے کہا تھا کہ اب تمہارے زندہ رہنے کی یہی صورت ہے کہ دشمن کا مقابلہ کرو اور اپنی جانیں اس مقابلہ میں قربان کر دو پس تم بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کو تیار ہو جاؤ۔ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ نے تشریح کر دی ہے کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ کے کیا معنی ہیں۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ کے یہی معنی ہیں کہ تم اپنی ہر چیز خدا تعالیٰ کے رستہ میں لٹا دو۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ میں مُوْتُوْا والی موت کی طرف اشارہ ہے اور گو اس کے وہ بھی معنی ہیں جن سے مباہلہ کا استنباط ہوتا ہے مگر اس کے یہ دوسرے معنی بھی ہیں اور قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے الفاظ ان معنوں پر دلالت کرتے ہیں مگر فرمایا وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ یہ کبھی اس موت کو اپنے نفوس پر وارد کرنے کی کوشش نہیں کریں گے ان کی ساری زندگی جب کہ گناہوں میں گزری تو انہیں اس عظیم الشان نیکی کی توفیق کس طرح مل سکتی ہے۔ اخلاص، اخلاص کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور نیکی، نیکی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ جن کے دل میں ایمان نہ ہو وہ اگرچہ زبان سے فدائیت کے دعوے کرتے چلے جاتے ہیں مگر وقت آنے پر ان کا قدم پھسل جاتا ہے۔ منافق آدمی بھی منہ سے بظاہر یہ کہتا ہے کہ دین کے لئے میں اپنی جان فدا کر دوں گا لیکن وقت آنے پر اسے قربانی کی توفیق نہیں ملتی کیونکہ قربانی اس کے دل میں نہیں ہوتی۔

اگر یہودیوں کے دلوں میں بھی سچا ایمان ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ وہ صحابہ کے مقابلہ پر قربانیاں نہ کرتے۔ محمد ﷺ کے صحابہ نے تو اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے لئے قربان کر دیں، اپنے اموال اس کے راستہ میں لٹا دیئے، اپنی عزتیں اس پر نچھاور کر دیں، اور اپنے وقار کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اگر دشمن آیا تو اس سے کوئی خوف نہ کیا۔ اس کے مقابلہ میں یہود کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے کیا کیا؟ اگر کچھ بھی نہیں کیا تو کس طرح تم کہہ سکتے ہو کہ تمہارے اندر دین کی حقیقی روح پائی جاتی ہے۔ دیکھو یہاں مسلمانوں

اور یہودیوں کی قربانیوں کا مقابلہ کیا گیا اور یہود سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر تم واقعی اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ ہو تو تم مسلمانوں سے قربانیوں میں مقابلہ کرلو۔ اگر مسلمانوں سے تم قربانیوں میں بڑھ جاؤ تو ظاہر ہو جائیگا کہ تم میں دین کا زیادہ جوش ہے اور اگر مسلمان ان قربانیوں میں بڑھ جائیں تو یہ تمہارے جھوٹے ہونے کا ثبوت ہوگا۔ یہی آجکل ہم غیر احمدیوں سے کہہ سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں وہ احرار جو یہ کہتے ہیں کہ احمدی رسول کریم ﷺ کی ہتک کرنے والے ہیں، وہ احرار جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام کا درد احمدیوں کے دلوں میں نہیں، وہ احرار جو یہ کہتے ہیں کہ احمدی اسلام کے دشمن اور رسول کریم ﷺ سے عناد رکھنے والے ہیں میں انہیں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کے نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہمارے متعلق کہتے ہیں کہ ہم چھپن ہزار ہیں، گو نہ یہ صحیح ہے کہ وہ آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کے نمائندہ ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ ہماری تعداد چھپن ہزار ہے مگر ان کے منہ کا دعویٰ چونکہ یہی ہے اس لئے بفرض محال اسے درست تسلیم کرتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ بیہودہ طریق پر لڑیں اور گند پھیلائیں، کیوں قرآن مجید کے اس بیان کردہ معیار کے مطابق آپس میں فیصلہ نہیں کر لیتے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آئیں اور غیر قوموں یعنی ہندوؤں اور عیسائیوں وغیرہ کو مسلمان بنانے کے لئے وہ بھی قربانیاں کریں اور ہم بھی قربانیاں کرتے ہیں۔ وہ بھی آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کو لے کر اشاعتِ اسلام کے لئے جانی اور مالی قربانیاں کر کے دکھلائیں اور ہم بھی اپنے چھپن ہزار افراد کو لیکر مالی اور جانی قربانیاں کرتے ہیں۔ پھر دنیا پر خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ کون اسلام کی محبت کے دعویٰ میں سچا ہے اور کون کاذب، کون اپنے منہ کی لاف وگزاف سے دنیا کو قائل کرنا چاہتا ہے اور کون عملی رنگ میں اسلام سے اپنی محبت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ صرف منہ سے اسلام کی محبت کا دعویٰ کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے کہتے ہیں سو گز واروں گز بھر نہ پھاڑوں۔ ہم سے جانی اور مالی قربانیوں میں مقابلہ کرلیں اور پھر دیکھیں کہ کون اسلام کا سچا درد اپنے سینہ میں رکھتا ہے۔ ان میں اسلامی محبت تو صرف اتنی رہ گئی ہے کہ اگر کسی غیر مسلم نے رسول کریم ﷺ کے متعلق سخت الفاظ لکھے تو اُٹھے اور اُسے قتل کر دیا۔ بے شک ایسا شخص جو رسول کریم ﷺ کے لئے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا اس کے دل میں کسی قدر اسلام سے محبت تو ضرور ہوتی ہے مگر وہ نادان محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ ایسا ہی اسلام کا نادان دوست جب کسی غیر مسلم کو مار دیتا ہے تو یہ

سارے لوگ اس کی تعریفیں کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ اگر یہ قابلِ تعریف کام ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلام کے نام پر قتل کر دیا جائے تو کیوں ایسے مواقع پر یہ اپنے بچوں کو نہیں بھیجتے یا خود نہیں جاتے۔ کیا عبدالقیوم اور محمد صدیق کے ماں باپ نہیں تھے؟ کیا ان کے رشتہ دار اور عزیز واقارب نہیں تھے؟ اگر تھے تو پھر زمیندار والے اختر علی خان کو کیوں نہیں بھیجتے کہ وہ جا کر کسی غیر مسلم کو قتل کریں یا دوسرے لوگ جو تعریفیں کرنے والے ہیں وہ اپنے بچوں کو کیوں نہیں بھیج دیتے۔ اگر ان کی تعریف سچی ہوتی اور اگر وہ دل سے سمجھتے کہ محمد ﷺ کی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ بدزبان غیر مسلم کو قتل کر دیا جائے تو آپ گھروں میں کیوں بیٹھ رہتے ہیں اور کیوں صرف دوسرے کی قربانی پر اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ اس کا صاف یہ مطلب ہے کہ وہ خود اسلام کے لئے کسی قسم کی قربانی نہیں کرنی چاہتے حالانکہ اس جگہ اللہ تعالیٰ یہ معیار قرار دیتا ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کا دعویٰ کرتی ہو تو ضروری ہے کہ وہ ایسی قربانیاں کرے جو دوسروں سے ممتاز حیثیت رکھتی ہوں۔ پس اگر احرار بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کا درد اپنے سینہ میں ہم سے زیادہ رکھتے ہیں تو آئیں اور ہم سے قربانیوں میں مقابلہ کر لیں۔ وہ بھی مالی قربانی کریں اور ہم بھی مالی قربانی کرتے ہیں، وہ بھی جانی قربانی کریں اور ہم بھی جانی قربانیاں کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ کون اس مقابلہ میں فائق رہتا ہے۔ ہمارے آدمی ہمیشہ اپنے اموال قربان کرتے چلے آئے اور کرتے چلے جائیں گے، اسی طرح ہمارے آدمی جانی قربانیاں بھی کرتے ہیں، وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو چھوڑ کر اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے ممالکِ غیر میں نکل جاتے ہیں۔ احراری آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کے نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ اگر وہ اس مقابلہ پر آئے تو ہمارا چھپن ہزار بھی اِنْشَاءَ اللّٰہُ ان سے ہر قسم کی قربانی میں بڑھ کر رہے گا اور اگر وہ اس مقابلہ میں ہم سے بڑھ جائیں تو پھر ہم جھوٹے ہونگے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے اندر منافق نہیں، قادیان میں بھی بعض منافق ہیں اور باہر کی جماعتوں میں بھی لیکن میں یہ جانتا اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر آج ضرورت پڑے اور میں اپنی جماعت سے یہ مطالبہ کروں کہ صرف جوتیاں پہن لو اور گھر بار چھوڑ کر میرے پیچھے چلے آؤ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ جب میں یہاں سے نکلوں گا تو بہت تھوڑے منافق پیچھے رہ جائیں گے، باقی سب میرے ساتھ چل پڑینگے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آج میں یہ اعلان کروں کہ جس قدر تاجر ہیں وہ اپنی تجارتوں کو چھوڑ کر اور اپنی دُکانوں کے دروازے

بند کر کے اسلام کی تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہر تاجر اس آواز پر لبیک کہے گا ۔اسی طرح میں اگر زمینداروں سے کہوں تو وہ اپنے ہل چھوڑ کر آنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اگر ملازموں سے کہوں کہ ملازمتیں چھوڑ کر تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہو تو وہ ملازمتیں چھوڑ کر آنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور بہت کم منافق ایسے رہ جائیں گے جو نہ آئیں ۔ باقی سب تاجر کیا، اور زمیندار کیا، ملازم کیا، اور غیر ملازم کیا اس آواز پر لَبَّیْکَ کہتے ہوئے آجائیں گے۔ یہ آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کے نمائندے بھی تو ایسا کمال کر کے دکھلائیں ۔کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ محمد ﷺ کے نام پر تو ہم اپنی جانیں اور اپنے اموال قربان کر رہے ہوں لیکن محبت ان لوگوں کے دلوں میں گھر بیٹھے موجزن ہو اور یہ کسی بھولے بھالے مسلمان نوجوان کے کسی ہندو کو قتل کر دینے پر واہ واہ! کرنے کے سوا اور کوئی کام کرنا ہی نہ جانتے ہوں ۔اگر وہ صحیح طریق ہے جو غریب محمد صدیق اور عبدالقیوم نے اختیار کیا تو کیوں یہ اپنے بچوں کو اسی طریق پر چلنے کی ہدایت نہیں کرتے ۔ میں تو جس طریق کو ضروری سمجھتا ہوں اس پر چلنے کی اپنے ہر بچے کو تاکید کیا کرتا ہوں ۔ میں نے اپنے ہر بچہ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کیا ہوا ہے اور اگر میں انہیں تعلیم دلاتا ہوں تو یہ کہہ کر تعلیم دلاتا ہوں کہ تم پر یہ قرض ہے اور تمہارا فرض ہوگا کہ تم اپنے علم کو اشاعتِ اسلام کے لئے صرف کرو ۔ پھر جب بھی کبھی جماعت کے سامنے مالی تحریک ہوتی ہے میں بعض دفعہ قرض لے کر بھی اس تحریک میں حصہ لیتا ہوں تا کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ قربانی کے لئے ہمیں تو کہا جاتا ہے مگر خود قربانی نہیں کی جاتی ۔ پھر اوقات کی قربانی ہے اس میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مَیں کسی سے پیچھے نہیں ۔ اگر کوئی دس گھنٹہ کام کرتا ہے تو میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بارہ چودہ بلکہ بعض دفعہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتا ہوں پس فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ کے مطابق میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ وہ قربانی کے ارادے جو میرے اندر ہیں ان کے ماتحت قربانیوں کے وقت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کسی کے پیچھے نہیں رہتا بلکہ آگے ہی بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں ۔غرض ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ کر کے بھی دکھا دیتے ہیں اور فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ کے مطابق ہماری جماعت موت قبول کر رہی ہے اور ہر وقت موت قبول کرنے کے لئے تیار ہے ۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابھی ہماری جماعت سے ایسا سخت مطالبہ نہیں ہوا کہ تمام لوگ گھر بار چھوڑ کر تبلیغِ اسلام کے لئے نکل کھڑے ہوں اور دیکھنے والوں پر ایک گہرا اثر ہو مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ اب تک ہماری

جماعت سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں ہوا جسے اس نے پورا نہ کیا ہو بلکہ ہر مطالبہ پر اس نے خوشی کے ساتھ لَبَّیْکَ کہا۔ پھر خدا تعالیٰ ان کے لئے جو موت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّه، مُلٰقِیْكُمْ موتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ موت جو دشمن کے ہاتھوں آتی ہے اور دوسری وہ موت جو خود انسان اپنے نفس پر خدا تعالیٰ کی محبت کے لئے وارد کرتا ہے۔ گویا ایک طَوعی موت ہوتی ہے اور ایک جبری موت ہوتی ہے۔ جبری موت تو یہ ہے کہ دشمن مارنے آئے اور انسان اپنی حفاظت کے لئے قلعوں میں چھپے اور اس سے خوف کھائے لیکن طَوعی موت وہ ہے جس پر دل راضی ہوتا ہے اور انسان کسی مصیبت کی پرواہ نہیں کرتا پس فرمایا ہم نے جو موت پیش کی ہے اسکے بعد تمہارے لئے زندگی مقدر تھی۔ تمہارے باپ دادوں نے اس راز کو سمجھا اور وہ موت کا پیالہ بخوشی پی گئے تب خدا تعالیٰ نے انہیں دائمی حیات کا وارث کر دیا اگر تمہارا آج بھی یہ دعویٰ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہو تو تم کیوں وہ قربانیاں نہیں کرتے جو تمہارے باپ دادوں نے کیں۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ اگر تم نے یہ قربانیاں کیں تو تم تباہ ہو جاؤ گے حالانکہ تباہی حَذَرَ الْمَوْت والی موت کے نتیجہ میں آتی ہے۔ مُوْتُوْا والی موت کے نتیجہ میں تو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ تمہارے بڑے جب موت کے ڈر سے بھاگے تھے تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہ سے یہ کہلوایا تھا کہ مر جاؤ پھر وہ مر گئے اور زندہ ہو گئے مگر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اسی موت سے بھاگے جا رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ زندگی کا موجب نہیں ہو سکتی۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّه، مُلٰقِیْكُمْ دیکھو! ہم نے تمہارے سامنے زندگی والی موت پیش کی اور تم نے سمجھا کہ جو موت تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے وہ زندگی والی نہیں بلکہ ہلاکت کے گڑھے میں گرانے والی ہے تم اس سے بھاگے مگر اے کم بختو! اب تم کدھر بھاگے جا رہے ہو جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تو زندہ کرنے والی ہے مگر جس موت کی طرف جا رہے ہو وہ تمہیں ہمیشہ کے لئے فنا کر دینے والی ہے یعنی وہ قوم جو دین کے لئے قربانی نہیں کرتی، جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے لئے فنا کرنے کو تیار نہیں ہوتی وہ مر جاتی اور اس کا نام دنیا سے مٹ جاتا ہے تو اَلْمَوْت میں حَذَرَ الْمَوْت کی طرف اشارہ ہے اور تَمَنَّوُا الْمَوْتَ میں اس موت کا ذکر ہے جو مُوْتُوْا والی ہے۔ اور اس طرح بتایا ہے کہ تم جس طرف بھاگے جا رہے ہو در حقیقت موت وہ ہے اور جس موت سے ڈر رہے ہو وہ زندگی کا پیالہ ہے جسے تم نہیں پینا چاہتے۔ بے شک اگر تم

زندگی والی موت اپنے نفوس پر وارد کرنے کے لئے تیار نہیں تو نہ کرو مگر یاد رکھو ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ایک دن تم اس خدا کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے جو غیبوں کا جاننے والا ہے وہ تمہارے کالے اور سیاہ دل تمہارے سامنے پیش کرے گا اور کہے گا کہ بتاؤ کیا ان دلوں میں حضرت محمد ﷺ کی محبت تھی یا اس احمدی کے دل میں رسول کریم ﷺ کی محبت تھی جو سفید اور نورانی دل لے کر میرے پاس آیا ہے وہ خدا یہ تمہارے دل تمہارے سامنے پیش کرے گا جو غیب اور ظاہر کا خدا ہے۔ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر وہ بتائے گا کہ تم نے میرے پیاروں اور میرے رسول کے پیاروں کو جو دنیا میں میرا نام بلند کر رہے تھے کس قدر دکھ دیا اور یہ کہہ کہہ کر دُکھ دیا کہ ہم رسول کریم ﷺ سے محبت کرنے والے ہیں حالانکہ تم نے ان لوگوں کے سینوں پر خنجر چلائے اور ان کے دلوں میں چھریاں ماریں جو میرے دین کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے والے تھے۔ (الفضل ۱۹ / مارچ ۱۹۳۵ء)

دوسرا خطبہ پڑھنے کے بعد حضور نے فرمایا۔

میرا دیر سے ارادہ تھا کہ مَیں جماعت کے لئے ایک اعلان کروں مگر آج ایک الٰہی بشارت کے ماتحت میں چاہتا ہوں کہ فوری طور پر اس کے متعلق اعلان کر دیا جائے۔ اس فتنہ کے متعلق جو آجکل ہماری جماعت کے خلاف برپا ہے۔ نومبر دسمبر سے میرا ارادہ تھا کہ مَیں مارچ یا اپریل کے دنوں میں جماعت کے مخلصین سے مطالبہ کروں گا اور آج الٰہی بشارت کے ماتحت میں اپنی جماعت کے مخلصین سے کہتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے اور اپنی تکالیف کے متعلق اپیل پیش کرنے کے لئے اُس ہفتہ سے جو عید کے بعد شروع ہوگا ہر جمعرات کو روزہ رکھیں۔ عید ۱۶ / مارچ کو ہوگی اس کے بعد کے ہفتہ سے لے کر سات ہفتوں تک جماعت کے افراد کو چاہئے کہ وہ ہر جمعرات کے دن روزہ رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں کہ وہ ہمیں سچا تقویٰ اور طہارت نصیب کرے اور ان لوگوں کو جو آجکل ہمارے خلاف کھڑے ہیں ہدایت دے یا ان کے ہاتھ بند کر دے۔ میں تمہیں دعا بھی بتا دیتا ہوں۔ یہ دعا ان ایام میں خصوصیت سے پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ [8] یعنی اے خدا! ہم اپنے دشمنوں کی شرارتوں اور ان کی ایذاء رسانیوں کے بدنتائج سے تیری پناہ چاہتے ہیں تو ہی ہمیں ان کے حملوں سے بچا وَنَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ اور اے خدا! جب

وہ ہم پر حملہ کریں تو تُو ہمارے اور اس حملہ کے درمیان حائل ہو جا اور ہمیں خود اپنی نصرت اور تائید سے اس حملہ سے محفوظ رکھ۔ یہ دعا دوست اِن ایام میں کثرت سے پڑھیں بلکہ ابھی سے شروع کر دیں مَیں تو دو تین ہفتہ سے یہ دعا پڑھ رہا ہوں۔ وہ الٰہی بشارت جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے یہ ہے کہ رات کو تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے دل پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر نازل کیا میں سو رہا تھا کہ یکدم میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا ایک سیکنڈ کے اندر اندر وہ شعر کئی دفعہ میری زبان اور قلب پر جاری ہوًا جو لوگ الہامی دنیا سے واقفیت رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ ایک سیکنڈ میں بعض دفعہ اتنے تواتر سے الہام نازل ہوتا ہے جسے دوسرے وقت بیان کرنے کے لئے کئی منٹ درکار ہوتے ہیں ایک ہی سیکنڈ گزرا ہو گا کہ کئی دفعہ یہ شعر میری زبان پر جاری ہوًا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ شعر میرے دل پر جاری کیا اور اتنے زور سے اور اتنی جلدی جلدی میری زبان پر آیا کہ اس کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی اور جب مَیں بیدار ہوًا تو نیم خواب ہونے کی حالت میں بھی تین چار دفعہ یہ شعر میری زبان پر آیا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

اللہ تعالیٰ کی پیاری نگاہیں ہی ہیں جن کے دیکھ لینے کے بعد دنیا کا کوئی غم انسان کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ اس شعر کا یہ بھی مطلب ہے کہ جسے خدا تعالیٰ پیار کی نگاہوں سے دیکھ لے اغیار کی عداوتوں اور شرارتوں سے اسے کوئی خطرہ نہیں رہتا اور یہ بھی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل محبت ہوتی ہے وہ دشمنوں کی شرارتوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا غرض اس شعر کے دونوں معنی ہیں یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی پیاری نگاہیں جب قلوب پر پڑتی ہیں تو جھگڑا دُور ہو جاتا ہے اور دشمنوں کی شرارتیں مٹ جاتی ہیں اور یہ بھی کہ جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جاتی ہے اسے دشمن کی پرواہ ہی نہیں رہتی۔ پس ان پیاری نگاہوں کو ڈھونڈو اور خدا تعالیٰ کی محبت بھری نظر کو تلاش کرو پھر تمام جھگڑے خود بخود طے ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آخر ایسا ہی ہو گا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اس شعر میں بتایا ہے۔ جس وقت یہ شعر میرے قلب

پر جاری ہؤا اُس وقت میں نے اپنے آپ کو اس طرح محسوس کیا جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کی بغل میں ہوتا ہے یا ایک عاشق اپنے محبوب کے سامنے بیٹھا ہوتا ہے۔ میرے جسم کا ذرّہ ذرّہ ایک لطف محسوس کر رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ گویا میں خدا تعالیٰ کے سامنے پڑا ہؤا کہہ رہا ہوں کہ:۔

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

غرض اب یہ جو ۱۶ تاریخ آنے والی ہے اس کے بعد کے ہفتے سے ہر جمعرات کو سات ہفتوں تک روزہ رکھا جائے اور خصوصیت سے یہ دعائیں کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کے سامان ہمیں عطا فرمائے اور اگر ہماری کمزوریاں اس کے فضلوں کے نازل ہونے میں مانع ہیں تو وہ مَلِک ہمیں اپنی ملکیت عطا فرمائے، وہ قُدُّوس ہمیں اپنی قدوسیت عطا فرمائے، وہ عزیز ہمیں اپنی عزیزیت بخشے اور وہ حَکِیم ہمیں اپنی حکمت عنایت کرے۔ بے شک ہم کمزور ہیں مگر ہم کام اسی کا کر رہے ہیں اور نام بھی اسی کا باقی رہے گا ہم مٹ جائیں گے اس دنیا میں نہ وہ رہیں گے جو آج ہماری مخالفت کر رہے ہیں نہ ہم رہیں گے جو خدا تعالیٰ کا نام پھیلا رہے ہیں مگر ہم بھی اور وہ بھی جو اِن میں سے ہمارے ساتھ مل گئے دائمی حیات کے وارث ہوں گے اور مخالف محروم رہیں گے پس ہمارے ہاتھوں جو کام ہو گا وہ اگرچہ خدا تعالیٰ کا ہی ہے مگر ہمیں دعائیں کرنی چاہییں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دُور فرمائے۔ اور دشمن کو جو شرارت کر رہا ہے ہدایت دے ہم اس کے لئے بد دعا نہیں کرتے اور نہ کریں گے مگر ہم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ یا تو وہ انہیں ہدایت دے اور جن کے لئے مقدر نہیں ان کے ہاتھوں کو روکے اور ان کی شرارتوں سے اسلام اور احمدیت کو محفوظ رکھے۔

(الفضل ۹، ۱۰/ مارچ ۱۹۳۵ء)

---

۱ الجمعة: ۷ تا ۹　　۲ الجمعة: ۶　　۳ البقرة: ۲۷

۴ متی باب ۱۲ آیت ۳۴ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء۔

۵ متی باب ۵ آیت ۳۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء۔

۶ عبرانیوں باب ۱۲ آیت ۸ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء۔

۷ البقرة: ۲۴۴، ۲۴۵　　۸ ابوداؤد کتاب الوتر باب ما یقول الرجل اذا خاف قومًا۔